ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

# اُردو کی ترویج واشاعت میں علماو مدارس کا کردار

**زرینہ عبداللہ**

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

**ڈاکٹر محمد ہارون قادر**

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

In the early third decade of the 20th century and the period after that, the dominant class of Urdu writers and poets was the product of religious madrasas, and the leadership and dominance of literature were in the hands of this class. It went into the hands of the likes. It was a sign of moral failure that the youth influenced by communism tried to exclude from the realm of literature any literature in which religion was mixed or morality was involved. Religious poets and writers were given the names of millas and sermons on the basis of prejudice; novels and fictions written on sexual themes were considered original literature. In these conditions, literature was divided into two parts; morals and manners became anathema to abiologists; however, the number of readers of healthy literature did not decrease. Until a time, the literary writings and works of scholars were considered masterpieces of literature.

اردو کے ارتقااور تشکیل میں ہمارے علما اور صوفیا کا اہم کردار رہا ہے۔ اردو کے بالکل ابتدائی دور کے جو نثری نمونے ہمیں ملتے ہیں ان میں سے اکثر علما کے اقوال اور ملفوظات پر مشتمل ہیں۔ ہمارے بزرگان دین نے اسلام کی تبلیغ کے لیے اردو زبان کا استعمال کیا۔ اگرچہ اردو نام بہت بعد میں پڑا، چنانچہ شیخ فرید الدین گنج شکر، شیخ حمید الدین ناگوری، خواجہ نظام الدین اولیا، شیخ شرف الدین یحی منیری، حضرت گیسو داز سمیت بہت سے مشائخ عظام نے اپنی خانقاہوں میں منعقدہ دعوتی مجالس میں اردو زبان کا کثرت سے استعمال کیا۔ حضرت امیر خسرو کی پہیلیاں تو آج بھی ہر ایک کی زبان پر ہیں۔ اردو ادب کے حوالے سے خانوادۂ ولی اللہ کا کردار قابل تحسین ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان اوران کے تلامذہ نے اردو نثر کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ حضرت شاہ عبد القادر اور حضرت شاہ رفیع الدین کے اردو میں قرآنی تراجم ہوں یا دیگر نثری کتب ہوں، ان کی اشاعت سے اردو ادب کی ثروت میں نہایت قیمتی اضافہ ہوا۔ بعد ازاں علما فارسی کے بجائے اردو میں ہی تصنیف و تالیف کو ترجیح دینے لگے۔ سر سید اور ان کے رفقا خصوصاً مولانا الطاف حسین حالی، علامہ شبلی، مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور لکھنؤ میں مولانا عبد الحلیم شرر نے نثر نگاری میں ایسی روح پھونکی کہ اردو زبان میں ہر موضوع پر علمی مضامین منصہ شہود پر آئے۔

اگر ہم اردو کی تاریخ کا بغور مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بیسویں صدی کی ابتدائی تیسری دہائی اور اس کے بعد کے زمانے تک اردو ادبا اور شعرا کا غالب طبقہ دینی مدارس کی پیداوار تھا اور ادب کی قیادت وسیادت اسی طبقے کے ہاتھوں میں تھی۔ جب مغربی نظریات کا برصغیر میں اثر و نفوذ بڑھا تو ادب کی کمان شر پسندوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ اخلاق باختگی کا یہ عالم تھا کہ اشتراکیت سے متاثر نوجوانوں نے ہر اس ادب پارے کو دائرۂ ادب سے باہر کرنے کی کوشش کی جس میں مذہب کی آمیزش ہوتی یا پھر اخلاقیات کا عمل دخل ہوتا۔ دین پسند شعرا اور ادبا کو تعصب کی بنیاد پر ملّا اور واعظ کے نام دیے گئے، جنسی موضوعات پر لکھے گئے ناولوں اور افسانوں کو اصل ادب قرار دیا جانے لگا۔ ان حالات میں ادب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، اباحیت پسندوں کے لیے اخلاق و آداب خار مغیلاں بن گئے، تاہم صحت مند لٹریچر کے قارئین کی تعداد بھی کم نہ ہوئی۔ ایک زمانے تک علمائے کرام کی ادبی تحریروں اور تصانیف کو ادب عالی کا شاہکار سمجھا جاتا تھا اور لوگ شبلی، حالی، سر سید، شرر، آزاد، مہدی افادی، خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی، اشرف

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

صبوحی، اور عبد الماجد کی ادبی کاوشوں کو شوق سے پڑھتے اوران سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ قارئین کا ایک بہت بڑا حلقہ علمائے کرام کی تحریروں کا دیوانہ تھا۔ یہ علمابیک وقت ادیب، شاعر، انشاپرداز اور عالم دین تھے۔ اگر ماضی قریب اور حال میں اردو کی ادبی خدمات کا جائزہ لیں تو ان میں مولانا اسماعیل گوجرانوالوی، علامہ راشد الخیری، مولانا ظفر علی خان، مولانا مودودی، مولاناعامر عثمانی، ماہر القادری، امیر مینائی، سید سلیمان ندوی، پیر محمد کرم شاہ الازہری، مولانا مسعود عالم ندوی، ڈاکٹر طاہر القادری اور علی میاں ندوی اور اس طرح کے ہزاروں عالم تھے جو تعمیری ادب تخلیق کرتے تھے۔ دوسری جانب بعض ایسے فکشن نگار موجود تھے، جن کی تان جنس جذبات پر ٹوٹتی رہی۔ ان کا دعویٰ تو اصلاح معاشرہ کا تھالیکن ان کی تحریروں کے اثرات نیا ہی رنگ دکھاتے رہے۔

اگرچہ اردوزبان کے مربی و محافظ مدارس تھے لیکن دور حاضر میں ادب کی سرپرستی ان کی وسعت سے باہر ہوگئی ہے۔ اب اردو کی سرپرستی یونیورسٹیوں کے شعبہ اردواور سمیناروں میں چلی گئی ہے۔ اس تبدیلی میں ہر کوئی برابر کا حصہ دار ہے۔ مدارس میں بھی شاید اس طرح کی آوازیں نہیں اٹھ رہیں جو ماضی میں اٹھتی رہیں۔ دوسری جانب تعلیم ادارے بھی اردو کی سرپرستی کا حق ادا کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔

اگرچہ مدارس کے اندر سے اردو ادب کے حوالے سے وہ توانا آوازیں تو نہیں اٹھ رہی ہیں جو ماضی میں سنائی دیتی تھیں، تاہم اس دور میں بھی دینی مدارس اپنے حصے کا کام کسی نہ کسی صورت میں کررہے ہیں۔ دینی مدارس کے طلبا کی زبانیں اگرچہ مختلف ہیں، لیکن اردو تنہا زبان ہے جس کو سارے طلبا سمجھتے اور بولتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس کا ذریعہ تعلیم اردو ہے۔ جبکہ اردو کی سرپرستی کرنے والوں نے ذریعہ تعلیم انگریزی بنالیاہے۔ ہمارے دین کا سب سے بڑا سرمایہ عربی کے بعد اردو میں ہے۔ مدارس کے طلبا اپنی زبان وبیان اور تحریر میں پختگی اور اثر انگیزی کے لیے متقدمین کی تحریروں کو دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔

الغرض یہ عجب اتفاق ہے کہ اردو جیسی سیکولر زبان مذہبی راسخ الاعتقادی کے گہواروں میں زندہ ہے۔ زبان وبیان کی سطح پر اُردو کو جو توسع اور تنوع حاصل ہے، وہ مدارس ہی کا فیضان ہے۔ اردو کے عناصر خمسہ، جن میں سرسید ٗحالی ٗشبلی ٗمحمد حسین آزاد اور مولوی نذیر احمد جیسے بڑے ادبی نام شامل ہیں، ان کا رشتہ بھی مدارس سے ہی ہے۔ اُردو کی صرفی، نحوی ساخت کی تشکیل، نئ لفظیات، مصطلحات، مترادفات، استعارات، تشبیہات اور تلمیحات مدارس کی عطا کردہ ہیں۔ مدارس کی ادبی اور لسانی خدمات کا اعتراف اربابِ فضل و کمال کو بھی ہے اور اُردو زبان و ادب سے وابستہ باشعور بالغ نظر اساتذہ کو بھی۔ سچ پوچھیے تو آج کے عہد زوال اور اُردو کشی کے دور میں اُردو زبان کی بقا مدارس سے مشروط ہے۔ اس زبان کا نامیاتی ارتقا اور تسلسل بھی مدرسوں پر ہی منحصر ہے۔ ورنہ اہلِ اُردو تو ہمیشہ آئینی مطالبات میں ہی اُلجھے رہے اور اُردو کو مال و منال کا ذریعہ بنانے کی کوشش میں مصروف محض نعرے لگانے تک محدود رہے۔ جب کہ دوسری جانب اہلِ مدارس نے اُردو کے احیا اور بقا کے لیے عملی اقدامات کیے۔

اردو ہندی تنازعہ، رسم الخط کی تبدیلی، استعارات و علائم میں تغیر، لسانی مزاج کو بدلنے کے خطرناک منصوبوں کے بارے میں سب جانتے ہیں۔ ایسے پر خطر ماحول میں اُردو کی حقیقی ہیئت کو برقرار رکھنے اور اُردو زبان کی اصلی روح اور اس کے تہذیبی حسن کے تحفظ میں مدارس نے نہایت اہم کردار ادا کیا۔ زبان کی جمالیات اور حرکیات کو نئ قوت اور توانائی بخشی۔ عملی حیاتین کے ذریعہ اُردو زبان کو ان مہلک جراثیم سے محفوظ رکھا جو اردو کے جسم کو دیمک کی طرح چاٹ رہے تھے اور زبان کو کم طور پر بنجر کر رہے تھے۔

اُردو اور مدارس، دونوں ایک دوسرے سے اس طرح مربوط اور منسلک ہوگئے ہیں کہ ذکر اردو کا ہو تو بات مدارس تک پہنچتی ہے۔ مدارس جن سطحوں پر اُردو زبان و ادب کو فروغ دینے میں منہمک ہیں، ان میں دو پہلو نہایت اہم ہیں۔

ا۔ ہندوپاک کے تقریباً تمام مدارس کا میڈیم اُردو ہے۔

۲ مدارس سے شائع ہونے والے اردو مجلات، جو مختلف شہروں، قصبوں اور مضافات میں اردو کی ترویج واشاعت میں بے پناہ کردار ادا کر رہے ہیں۔

یہ اہلِ مدارس ہی ہیں، جنھوں نے اُردو زبان کی لفظیات اور لغت میں اضافہ کیا اور اُردو زبان کو ان علوم وفنون اور موضوعات سے آشنا کیا جن سے یقیناً اُردو کی فکری ثروت میں گرانقدر اضافہ ہوا اور جس کے ذریعے سے اُردو زبان کو فکری تحرک اور قوت حاصل ہوئی۔ مدارس نے اُردو زبان کے احیا کے لیے نا صرف عملی اقدامات کیے بلکہ اردو کو تدریسی میڈیم کے طور پر اختیار کیا۔ یوں اُردو زبان کی ترقی کی راہ ہموار ہوئی۔ برصغیر پاک وہند کے دینی مدارس کا یہ امتیاز ہے کہ دیگر لسانی معاشروں سے تعلق رکھنے والے طلبا بھی اُردو زبان میں ہی تعلیم پاتے ہیں۔ ان کا تعلق چاہے برمی، بنگلہ، کنڑ، تمل، تلگو، گجراتی، مراٹھی، کشمیری یا انگریزی زبان سے ہو لیکن وہ مدارس میں اُردو زبان کے

HARF-O-SUKHAN
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

ذریعے ہی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ اس کے برعکس ہماری عصری جامعات یا کالجز کے اُردو شعبہ جات میں طلبا اُردو کو اختیاری یا لازمی مضمون کے طور پر لیتے ہیں۔ یہی وجہ کہ اُردو زبان و ادب کے فروغ اور ارتقا میں دینی مدارس کے کردار کی اہمیت اس اعتبار سے بھی نہایت اہم ہے کہ ان کے علمی، ادبی، ثقافتی طاور لسانی فیض کا دائرہ عمل علاقائی، ملکی اور جغرافیائی حدوں سرحدوں سے ماورا ہے۔ برصغیر نہیں بلکہ بیرونِ ممالک میں بھی دینی مدارس کے فیض یافتہ فضلا اور علمانے اُردو کی شمع کو جلار کھاہے اور ان خطوں اور علاقوں کو بھی اُردو سے روشناس کیا ہے جو لسانی اور تہذیبی اعتبار سے کلی طور پر مختلف ہیں، اس طرح بہت سے علاقوں میں اُردو مذہبی، سماجی اور ثقافتی شناخت کا ذریعہ بھی بن گئی ہے۔ دنیا کے ان خطوں میں جنوبی افریقہ کی مثال نمایاں ہے، جہاں اُردو کو Religious Lingua Franca کی حیثیت حاصل ہے۔

برصغیر میں دین اسلام کی ترویج واشاعت ایک بڑا ذریعہ تبلیغ دین اور دعوت اسلامی کی تحریکیں ہیں۔ مبلغین اسلام نے ہندوستان کے قریہ قریہ میں مذہب اسلام کے پیغام حیات کو جانفشانی سے پھیلایا۔ دعوت و تبلیغ کا یہ سلسلہ برصغیر کے تمام مسالک کے علما اپنے اپنے انداز اور ذوق کے ساتھ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں نا صرف ملک میں بڑے بڑے اجتماعات کا انعقاد کیا جاتا ہے بلکہ دنیا کے اکثر ممالک میں ان کے تبلیغی وفود بھیجے جاتے ہیں۔ اس تبلیغی مساعی کی بدولت اردو زبان کو بے پناہ فائدہ پہنچتا رہا ہے اور فی زمانہ پہنچ رہا ہے۔ ملکی اجتماعات میں ملک کے طول و عرض سے لوگ جمع ہوتے ہیں، جو مختلف تہذیبی ولسانی پس منظر رکھتے ہیں۔ ان اجتماعات میں ملک کے طول و عرض سے شامل ہونے والے فرزندان توحید ورسالت اردو زبان میں ہونے والے خطبات، مختلف علاقوں کے لوگوں کے باہمی میلاپ اور اردو تبلیغی مصطلاحات کی بدولت دینی تعلیمات سے آگاہی کے ساتھ ساتھ اردو فہمی کی دولت سے بھی فیض یاب ہوتے ہیں۔ مبلغین اسلام ہندوستان بھر سے دنیا کے کونے کونے میں جاتے ہیں۔ ان واعظین وناصحین کی مساعی جہاں دنیا بھر دینی چراغ روشن کرتی ہے وہاں جگہ جگہ اردو زبان وادب کا بیج بونے کا باعث بھی بنتی ہے۔

مدارس سے وابستگان نے اردو صحافت میں بھی نمایاں کارنامے سرانجام دیے۔ اہل مدارس نے صرف اپنے مدارس سے شائع شدہ رسائل وجرائد سے اردو ادب کی خدمت نہیں کی بلکہ ایسے اخبارات ورسایل کا اجرا کیا جنھوں نے اردو زبان وادب کی تاریخ میں نام کمایا۔ مثلاً ''تہذیب نسواں'' کے مدیر مولوی سید ممتاز علی کی خدمات کو کیسے فراموش کیا جاسکتا ہے۔ اسی ادبی رسالے نے ادبی دنیا کو نذر سجاد حیدر 'محمدی بیگم 'حجاب امتیاز علی 'سلطانہ آصف فیضی اور صغریٰ ہمایوں مرزا جیسی نامور خواتین قلم کار فراہم کی ہیں۔ اسی طرح ''تہذیب نسواں'' کے علاوہ مولوی ممتاز علی نے ہی بچوں کا پہلا اخبار ''پھول'' جاری کیا اور کس کو معلوم نہیں کہ مولوی ممتاز علی ایک دینی مدرسے کے تربیت یافتہ ہیں۔ مشہور اخبار الامان اور وحدت کے مدیر اور مشہور ناول نگار مظہر الدین شیر کوٹی کا تعلق بھی مدرسہ سے تھا۔ یوں ''ادبی دنیا''، ''ہمایوں'' اور ''شاہکار'' جیسے ممتاز رسائل وجرائد کی مدیر اور نامور ادبی شخصیت علامہ تاجور نجیب آبادی کو کون فراموش کر سکتا ہے جنھوں نے ہندوستان کے ایک مشہور دینی مدرسے سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی طرح ہفت روزہ ''نئی دنیا'' کے بانی مولانا عبد الوحید صدیقی، ''مدینہ'' بجنور اور ''جمہوریت'' ممبئی سے وابستہ حامد الانصاری غازی، روزنامہ ''عصر جدید'' کلکتہ کے مدیر شائق احمد عثمانی، نامور ادبی مجلے ''نگار'' کے مدیر علامہ نیاز فتح پوری اور معروف جریدے ''قومی آواز'' کے مدیر اعلیٰ حیات اللہ انصاری سمیت بہت سے نامور صحافی اور مدیر دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے۔ اس لیے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ اردو صحافت کو نئے نقوش عطا کرنے میں اہل مدارس کا بنیادی کردار ہے۔

جہاں تک اردو نثر کی بات ہے تو مدارس کے علما کی ایک بڑی تعداد ہے جس نے اردو ادب کے دامن کو نئے اسالیب کے موتیوں سے بھر دیا۔ اردو نثر کے معماروں میں مولانا ابو الکلام آزاد 'سید سلیمان ندوی، مولانا مناظر احسن گیلانی، علامہ راشد الخیری، علامہ ارشد القادری، خواجہ حسن نظامی، مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سمیت نامور نثر نگار، جن کا تعلق دینی مدارس سے تھا، انھوں نے اردو نثر کو ایک منفرد اسلوب عطا کیا۔ وہ اپنے اسلوب بیان، لطافتِ بیان اور سلاستِ زبان کے ذریعے سے اپنی تحریر کا رشتہ عوام وخواص کے دل و دماغ سے براہِ راست جوڑ چکے ہیں۔ انھوں نے اردو ادب ونثر کی ترویج واشاعت میں قابل ستائش کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ نامور نقادان ادب نے اہل مدارس کی نثری خدمات کا برملا اعتراف کیا ہے۔ تنقید نگاروں نے ان کی خدمات کے ضمن میں یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کی نثری خدمات کی بدولت اُردو کی لفظیات اور تراکیب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے اور ان نثر نگاروں نے اُردو کو نئے الفاظ بھی عطا کیے ہیں اور اُردو کی محدود ڈکشن، معانی ومفاہیم کی توسیع کا فریضہ بھی نہایت بہترین انداز میں ادا کیا ہے۔

اہل مدارس نے نثر اور نظر کی کئی جہتوں کا اکتشاف کیا ہے اور اردو ادب میں نئے تجربات بھی کیے ہیں۔ اس ضمن میں مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمد ولی رازی کے نام نمایاں ہیں، انھوں نے جو تجربات کیے ہیں ان کے لیے زبان پر عبور اور علم کامل ضروری ہے۔

مولانا محمد ولی رازی کی تصنیف ''ہادیِ عالم'' نثر کا ایک نہایت مشکل تجربہ ہے اور اپنے اظہاری تجربہ کے اعتبار سے یہ اُردو ادب میں گراں قدر اضافہ بھی ہے۔

اگرچہ قدیم زمانہ میں انشاء اللہ خاں انشانے "سلک گہر" میں ایسا ہی نثری تجربہ کیا ہے اور "طور الاسرار" میں نظمیہ تجربہ، لیکن "ہادیِ عالم" کی بات ہی کچھ اور ہے، یہ نثر کی ایک نئی جہت کی اطلاقی شکل ہے جو "ہادیِ عالم" کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ بیانیہ نثر کے اس تجربہ کو ارباب نقدوادب نے بہت سراہا ہے اور اس نثری ریاضت کی تحسین کی، ڈاکٹر سیّد محمد عبداللہ جیسے ممتاز ناقد اور صاحبِ نظر نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"مولانا محمد ولی رازی نے ایک ایسا کارنامہ انجام دیا ہے جس کی مثال اُردو زبان میں موجود نہیں۔ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی مکمل زندگی غیر منقوط حروف کی ترکیب و ترتیب سے اُردو میں لکھ کر اپنی ذہانت و فطانت کا کمال کر دکھایا ہے۔ علم بدیع کی ایک مشکل صنف (غیر منقوط) کو مکمل طور سے بامعنی عبارتوں میں استعمال کر کے جاں فشانی کا ایک ایسا نادر نمونہ پیش کیا ہے جسے اُردو زبان کے ذخیرے میں ایک بیش بہا اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔"(۱)

ولی رازی کی کاوش اگرچہ مذہبی نوعیت کی ہے لیکن ان کا اسلوب اور طرزِ اظہار ادبیت کی بہترین مثال ہے۔ ان کی اس کاوش نے اردو ادب میں جدت اور ندرت کی دولت کا بیج بویا ہے۔ اس کاوش سے یہ بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو زبان میں بے پناہ وسعت اور جامعیت موجود ہے۔ اس کتاب نے نقادانِ ادب کو ورطہ حیرت میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ کتاب اردو ادب کا عجیب شاہ کار ہے۔ ڈاکٹر عبدالحی نے یوں تحسین و ستائش کی:

"ادیبانہ انداز میں سیرت کے موضوع پر "ہادیِ عالم" اپنی شانِ انفرادیت کا ایک عجیب شاہکار ہے۔ ماہرین علم و ادب و نکتہ سنجانِ فکر و نظر جو اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو ان کو جس طرح ادب اُردو کی وسعت و جامعیت پر تعجب ہو گا، اس طرح ادب اُردو پر مصنف کا عبور کامل اور اسلوبِ نگارش کی جدت پر بھی حیرت ہو گی۔"(۲)

ہر زبان کے ادب میں بعض ایسی تخلیقات زیب قرطاس کی جاتی ہیں، جن کی بنت میں عظیم تخلیقی تجربہ عمل میں لایا جاتا ہے۔ "ہادی عالم" نے نا صرف عام قارئین کو بلکہ پختہ قلم کاروں کو اپنے سحر میں مبتلا کیا ہے۔ عام قاری تو شاید اپنی کم علمی اور مطالعہ کی قلت کی وجہ سے کسی بھی شاہ پارے سے متاثر ہو سکتا ہے لیکن ایک منجھا ہوا لکھاری اور نقاد بہت کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی تخلیق کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائے۔ اس حوالے سے تنقید نگاروں نے "ہادی عالم" کو حوالے سے جو اپنی تنقیدی آرا فراہم کی ہیں، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اردو ادب کا کتنا قیمتی خزانہ ہے۔ رئیس امروہی کے بقول:

"خدا شاہد کہ میں شعر و ادب کے کسی نادر اور عجیب شاہکار کو دیکھ کر اس قدر ششدر اور سحر زدہ نہیں ہوا جتنی حیرت "ہادی عالم" کے مطالعہ سے ہوئی۔ شاعری کے اعلیٰ سے اعلیٰ نمونے نظر سے گزرے ہیں۔ ادب کی بے مثال تخلیقات سے بارہا لطف اندوز ہو چکا ہوں لیکن ادب کا کوئی شہ پارہ، نثر کا کوئی نمونہ اور شعر کا کوئی گلدستہ اس قدر حیرت آفرین ثابت نہیں ہوا جتنی حیرت جناب محمد ولی رازی کی تصنیف "ہادی عالم" کے مطالعہ سے ہوئی۔"(۳)

اربابِ نظر خود بھی اس نثری تجربہ سے درج ذیل اقتباس کی صورت میں محظوظ ہو سکتے ہیں:

"ہادیِ کامل صلی اللہ علیہ وسلم سارے رسولوں کے سردار ہو کر اہلِ اسلام کی اصلاح کے لئے سراسر کرم و عطا ہو کر آئے۔ اِک معلوم عرصہ کے لئے اس عالمِ مادّی میں آکر رہے۔ لوگوں کو راہِ ہدیٰ دِکھائی۔ اسلام کے احکام و اسرار عطا کئے۔ لوگوں کو حلال و حرام کا علم عطا ہوا۔ عدل و صلہ رحمی، عطا و کرم، ہمدردی و مددگاری کا عمل عام ہوا۔ لوگوں کی اصلاح کا اہم کام مکمل ہوا۔ اگلے لوگوں کے لئے ہر ہر گام کے لئے اسوۂ مطہرہ عطا ہوا۔ اسی لئے سارے دوسرے رسولوں کی طرح سرورِ عالم کے لیے حکم وصال آکر رہا۔"(۴)

محمد ولی رازی کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اللہ اللہ وہ رسولِ امم موعود ہوا کہ اس کے لئے صدہا سال لوگ دعا گو رہے۔ اہلِ عالم کی مرادوں کی سحر ہوئی، دلوں کی کلی کھلی، گمراہوں کو ہادی ملا، گلے کو راعی ملا، ٹوٹے دلوں کو سہارا ملا، اہلِ درد کو درماں ملا، گمراہ حاکموں کے محل گرے، سالہا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

سال کی دہکی ہوئی وہ آگ لٹ کے رہی کہ لاکھوں لوگ اس کے آگے سر ٹکائے رہے۔"(۵)

علمائے کرام کی مساعی کا مقصد محض اردو زبان کی ترویج و اشاعت نہیں رہا۔ البتہ رضائے الٰہی اور عشق رسول ﷺ کے تقاضوں کی بجا آوری میں انھوں نے ایسی خدمات سر انجام دی ہیں جو اردو زبان کی نشر و اشاعت میں بے حد کارآمد اور بے مثال ثابت ہوئی ہیں۔

بیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند میں بعض ایسے علمائے کرام کی کہکشائیں بھی نظر آتی ہیں جنھوں نے آسمان ملت پر اپنی نمایاں جگہ بنائی ہے۔ ان علمائے کرام میں مولانا احمد رضا خان فاضل بریلویؒ، جن کو عموماً "اعلیٰ حضرت" کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے، ان کا شمار ان نفوس قدسیہ میں ہوتا ہے جنھوں نا صرف برصغیر بلکہ عالم اسلام میں ایک معتبر حوالے کے طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ فاضل بریلوی کا شمار ان علما میں ہوتا ہے جنھوں نے دین اسلام کی سربلندی اور رسول اللہ ﷺ کی عقیدت و اطاعت کے لیے اپنی ساری زندگی وقت کر دی۔ علامہ محمد اقبال جیسی شخصیت نے ان کی علمیت کا برملا اعتراف کیا ہے۔ انھوں اپنے مذہبی فریضے کے پیش نظر بہت سی تخلیقی کاوشیں سر انجام دی ہیں۔ ان کی سیکڑوں تصانیف و تالیف میں نعتیہ مجموعہ "حدائق بخشش" ادب کا مایہ ناز سرمایہ ہے۔ یہ مجموعہ اردو ادب میں نعتیہ شاعری کا بے مثال نمونہ ہے۔ ان کی ادبی کاوشوں کا اعتراف نامور نقادان ادب اور علمائے ربانین نے برملا کیا ہے۔ ڈاکٹر مفتی محمد کریم خان کے بقول:

> "مولانا احمد رضا خان کی تبحر علمی، تقویٰ اور دینی حمیت کا اعتراف حکیم الامت علامہ محمد اقبال جیسی جید شخصیات نے برملا کیا ہے۔ ان کا قلم عشق الٰہی اور محبت سرور عالم ﷺ میں ڈوبا ہوا اور دینی حمیت کی گرمی سے بے قرار ہے۔ انھوں نے دینی جذبے میں جو تصنیفی و تالیفی خدمات سر انجام دی ہیں، ان سے اردو ادب کی ثروت میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ خاص طور پر ان کی نعت شاعری، اردو شاعری کی نادر و یکتا نظیر ہے۔"(۶)

ڈاکٹر منظور احمد دکنی مولانا احمد رضا خان کی ادبی خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اردو شاعری میں میرؔ، غالبؔ اور اقبال کو شعری مجدد کی حیثیت حاصل ہے، یہ شعری مجدد مثلث بالترتیب تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کے شاعر کہلائے جاتے ہیں۔ مگر امام موصوف (احمد رضا خان بریلوی) کے کلام کا جائزہ لیا جائے، تو یہ مثلث شعری ٹوٹ کر مستطیل بن جاتا ہے اور اس مستطیلی رقبہ میں ان تینوں شاعروں کے اوصاف کا مرقع امام احمد کی ذات والا صفات ہے۔ مولانا کے یہاں تشبیہات و استعارات کی جدت و ندرت، الفاظ کی شگفتگی و تازگی، خیالات کی بلندی، جذبات و احساسات کی پاکیزگی، لفظوں کا درست اور حسین انتخاب، غنائیت و موسیقیت اور نادر تلمیحات کا استعمال امام نعت گویاں کو قادر الکلام شعرا کے زمرے میں رکھتا ہے۔"(۷)

ان کا نعتیہ مجموعہ "حدائق بخشش" ایک طرف سرور عالم ﷺ سے بے پناہ عقیدت کے جذبے سے رندھا ہوا ہے تو دوسری طرف ادبی خوبیوں سے مزین ہے۔ ان کے کلام میں صنائع اور بدائع کو کوئی خوبی ہو گی جو اس میں موجود نہ ہو۔ ان کے کلام میں ایک ایسی نعت موجود ہے جسے پڑھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ اس نعت میں یہ خوبی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے انسان کے دونوں ہونٹ آپس میں بالکل بھی نہیں ملتے۔ اس نعت رسول مقبول ﷺ کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن کو پڑھتے ہوئے دونوں ہونٹ آپس میں جدا رہتے ہیں۔ یہ نعت اپنے اسلوب و انداز کے لحاظ سے یقیناً اردو شاعری میں ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔

نعت ملاحظہ کیجیے:

سید کونین سلطان جہاں
ظل یزداں شاہ دیں عرش آستاں
کل سے اعلیٰ کل سے اولیٰ کل کی جاں
کل کے آقا کل کے ہادی کل کی شاں
آنکھ دے اورآنکھ کو دیدار نور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3, 2024

روح دے اورروح کو راج جناں

تو نہ تھا تو کچھ نہ تھا گر تو نہ ہو
کچھ نہ ہو تو ہی تو ہے جان جہاں
التجا اس شرک و شر سے دور رکھ
ہو رضاؔ تیرا ہی غیر از این و آں
جس طرح ہونٹ اس غزل سے دورہیں
دل سے یوں ہی دور ہو ہر ظن و ظاں(۸)

مولانا احمد رضا خان بریلوی اور مولانا محمد ولی رازی کے اسالیب کے صرف چند نمونے پیش کئے گئے ہیں۔ البتہ اہل مدارس اور علمائے کرام کی بے شمار ادبی کاوشیں موجود ہیں۔ ان کاوشوں سے ادبی اسلوب میں نہایت وسعت اور جدت پیدا ہوئی ہے۔

اردو کا کوئی شعبہ ہو علمائے کرام اور اہل مدارس کی کاوشیں کسی دوسرے طبقہ سے کم نہیں ہیں۔ تنقید اور تحقیق کے میدان میں بھی علمائے کرام اور اہل مدارس کی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اہل مدارس میں سے تحقیق و تدوین اور تنقید کے میدان میں نمایاں خدمات سر انجام دینے والوں میں ممتاز محقق مولانا امتیاز علی خاں عرشی پروفیسر عبد المغنی ' قاضی عبد الودود ' پروفیسر مختار الدین احمد آرزو ' نجیب اشرف ندوی سمیت بہت سے نام شامل ہیں۔ ان کی خدمات کو نا صرف قابل قدر نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے بلکہ ان کی کاوشوں نے اردو کے تنقیدی اور تحقیقی سرمائے میں قابل ستائش اضافہ کیا ہے۔ معروف ماہر لسانیات پروفیسر شوکت سبزواری بھی دینی مدرسے میں زیر تعلیم رہے اور مولانا ممتاز نقاد مولانا صارم ازہری، نامور غالب شناس مولانا نور الحسن راشد، مفتی مشتاق احمد تجاروی سمیت بہت سے اہم نام ہیں جنھوں نے مدارس میں تعلیم پائی ہے۔ تحقیق و تنقید کی طرح بہت سے نامور فکشن نگاروں کا تعلق بھی مدارس سے رہا ہے۔

اہل مدارس نے ادب کے جملہ اصناف میں منفرد اور مختلف تجربے کیے ہیں۔ شاعری میں تو فہرست بہت لمبی ہو جائے گی۔ مجروح سلطان پوری ' کیفی اعظمی ' جون ایلیا ' فضا ابن فیضی یہ کچھ نام ہیں جن سے پوری اردو دنیا واقف ہے۔ مدارس نے اردو کے پودے کو تناور درخت میں بدلا ہے اس کا اعتراف بغیر کسی تامل اور تعصب کرنا چاہیے۔

## حوالہ جات


۱۔ محمد ولی رازی، ہادی عالم، کراچی: دار العلم، ۱۹۸۷ء، ص:۷
۲۔ ایضاً، ص:۴
۳۔ جنگ، روزنامہ، کراچی، ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء
۴۔ محمد ولی رازی، ہادی عالم، ص:۴۰۴
۵۔ ایضاً، ص:۴۳
۶۔ محمد کریم خان، مفتی، ڈاکٹر، ایک مصاحبہ
۷۔ غلام جابر شمس مصباحی، ڈاکٹر، امام احمد رضا: ایک نئی تشکیل، مہاراشٹرا: انجمن ثنائیہ، دار الیتامیٰ، ۲۰۱۱ء، ص:۱۰۱
۸۔ احمد رضا خان بریلوی، مولانا، حدائق بخشش، حصہ سوم، ریاست پٹیالہ (ہندوستان): کتب خانہ اہلسنت، س ن، ص:۴۹